

متفرق سوالات

[المورد میں خطوط اور ای میل کے ذریعے سے دینی موضوعات پر سوالات موصول ہوتے ہیں۔ المورد کے شعبہ علم و تحقیق اور شعبہ تعلیم و تربیت کے رفقاء ان سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ یہاں ان میں سے منتخب سوال و جواب کو افادہ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔]

جہیز

سوال: جہیز کے بارے میں صحیح نقطہ نظر کیا ہے؟ (محمد عمر بن عبداللہ)

جواب: شادی کے موقع پر والدین کا اپنی بیٹی کو جہیز دینا ایک معاشرتی رسم و رواج ہے۔ دین نہ اسے نکاح کی کوئی شرط قرار دیتا ہے اور نہ اس پر کوئی پابندی لگاتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ طریقہ بھی درست ہے کہ لڑکے کی طرف سے دی گئی مہر کی رقم ہی سے یہ جہیز خرید لیا جائے اور یہ بھی درست ہے کہ لڑکی کے والدین اپنی خوشی اور سہولت سے بیٹی کو بطور جہیز جو دینا چاہیں، وہ دیں۔ دین کو اس پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ وہ اس کی کوئی ترغیب ہی دیتا ہے۔

البتہ، یہ ایک اہم بات ہے کہ اگر یہ جہیز ایک ایسی رسم کی صورت اختیار کر جائے جو معاشرے میں ظلم و زیادتی اور دیگر مفاسد کا باعث بن جائے، اس کے نتیجے میں شادی بیاہ مشکل ہو جائے، جیسا کہ ہمارے معاشرے کی صورت حال ہے تو پھر دین اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا اور مسلمانوں کو یہ ترغیب دلاتا ہے کہ وہ اس میں موجود خرابیوں کو لازماً دور کریں۔

نصاب زکوٰۃ میں تبدیلی کا حق

سوال: کیا ریاست زکوٰۃ کے نصاب میں تبدیلی کر سکتی ہے؟ (اے کے فریدی)

جواب: استاد محترم غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق زکوٰۃ کے نصاب میں ریاست اجتہاد کر سکتی ہے، لہذا ریاست جو نصاب بھی طے کر دے گی، اس سے کم مال یا پیداوار پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ وہ اپنی کتاب ”قانون عبادات“ میں زکوٰۃ کے حوالے سے بعض عام غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے یہ لکھتے ہیں کہ:

”چند باتیں مزید واضح رہنی چاہئیں:

... ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے، ان کے لیے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کر سکتی ہے۔ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقصد سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ نہیں لی اور مال، مویشی اور زرعی پیداوار میں اس کا نصاب مقرر فرمایا۔ یہ نصاب درج ذیل ہے:

مال میں ۱۵ اوقیہ / ۶۴۲ گرام چاندی
پیداوار میں ۵ سق / ۶۵۳ کلوگرام کھجور
مویشی میں ۵ اونٹ، ۳۰ گائیں اور ۴ بکریاں۔

آپ کا ارشاد ہے: ”قد عفوت عن الخيل والرقيق“ (میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے)۔ اسی طرح فرمایا ہے:

ليس فيما دون خمسة اوسق من التمر صدقة، وليس فيما دون خمس اواق من الورق صدقة، وليس فيما دون خمس ذود من الابل صدقة. (الموطأ، رقم ۵۷۸)

”۵ سق سے کم کھجور میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، ۵ اوقیہ سے کم چاندی میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے اور ۵ سے کم اونٹوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔“ (۱۳۰-۱۳۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ واضح طور پر یہ بتا رہے ہیں کہ یہ نصاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ عرب کی ریاست کا فرماں روا ہونے کی حیثیت سے مقرر فرمایا تھا، چنانچہ اگر ریاست محسوس کرے تو وہ اس میں تبدیلی کر سکتی ہے۔

خلافت راشدہ میں پیداوار کی زکوٰۃ

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سے محکمے وجود میں آ گئے تھے تو کیا انھوں نے کرایے اور معالجوں کی فیسوں پر پیداوار کی زکوٰۃ عائد کی تھی، جیسا کہ غامدی صاحب کے خیال میں یہ عائد ہونی چاہیے؟ (اے کے فریدی)

جواب: اس زمانے میں تنخواہ پر پیداوار کی زکوٰۃ عائد نہیں کی جاتی تھی۔ اگرچہ بعض چیزوں پر زکوٰۃ عائد کرنا اور بعض کو اس سے مستثنیٰ قرار دینا امیر ریاست کا کام ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے تو پھر یہ لازم نہیں رہتا کہ جو کچھ وہاں موجود نہیں تھا، وہ یہاں بھی موجود نہ ہو۔ وقت اور زمانے کی تبدیلی سے حالات بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ نئے حالات میں شریعت کے اطلاقات کو از سر نو متعین کیا جائے۔ شریعت کے اسی اطلاق کی تعیین کے حوالے سے استاذ محترم غامدی صاحب فرماتے ہیں:

”... جو کچھ صنعتیں اس زمانے میں وجود میں لائیں اور اہل فن اپنے فن کے ذریعے سے پیدا کرتے اور جو کچھ کرایے، فیس اور معاوضہ خدمات کی صورت میں حاصل ہوتا ہے، وہ بھی اگر مناط حکم کی رعایت ملحوظ رہے تو پیداوار ہی ہے۔ اس وجہ سے اس کا الحاق اموال تجارت کے بجائے مزروعات سے ہونا چاہیے اور اس معاملے میں وہی ضابطہ اختیار کرنا چاہیے جو شریعت نے زمین کی پیداوار کے لیے متعین کیا ہے۔

... اس اصول کے مطابق کرایے کے مکان، جائدادیں اور دوسری اشیاء اگر کرایے پر اٹھی ہوں تو مزروعات کی اور اگر نہ اٹھی ہوں تو ان پر مال کی زکوٰۃ عائد کرنی چاہیے۔“ (قانون عبادات ۱۳۱-۱۳۲)

یہ درج بالا نقطہ نظر غامدی صاحب کا اجتہاد ہے جسے وہ اپنے استدلال کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، ان کے نزدیک یہ صحیح ہے، لیکن اس میں غلطی کا امکان موجود ہے۔

طلاق کی نیت کے بغیر طلاق کے الفاظ بولنا

سوال: میں نے اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑے کے دو مختلف موقعوں میں سے ہر موقع پر محض اسے دبانے اور چپ کرانے کے لیے دوبار طلاق طلاق کے الفاظ بولے ہیں جس کے نتیجے میں اس وقت وہ جھگڑا ختم ہو

گیا۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں، جبکہ میں نے طلاق دینے کی نیت سے طلاق کے الفاظ بولے ہی نہیں تھے، میرے ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی تھی؟ (عبدالستار، جاپان)

جواب: آپ نے جو بات لکھی ہے، اگر وہ واقعہ ایسے ہی ہے تو پھر ہمارے نزدیک ان الفاظ سے کوئی ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوئی، البتہ ان الفاظ کا اس طرح بولنا شدید غلطی ہے۔ یہی الفاظ اگر آپ قاضی کی عدالت میں کھڑے ہو کر بولیں گے تو وہ آپ سے نیت پوچھے بغیر طلاق واقع کر دے گا، کیونکہ ان الفاظ کا ایک سنجیدہ مطلب اور طے شدہ مقصد ہے۔ اس مقصد کے بغیر انھیں بولنا ہرگز درست نہیں۔

بہر حال، ہمارے خیال میں آپ کے طلاق کی نیت کے بغیر یہ الفاظ بولنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ آپ کو اپنی اس غلطی پر سچے دل سے توبہ و استغفار کرنی چاہیے۔ طلاق کے لفظ کی، جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے، ایک قانونی حیثیت ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کو کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا کسی صورت بھی درست نہیں، لہذا آپ یہ عہد کریں کہ آپ آئندہ ان الفاظ کو کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔

وقوع قیامت

سوال: بعض علما کا یہ خیال ہے کہ مرنے کے فوراً بعد ہر انسان کے اعمال کا حساب کتاب ہو جاتا ہے اور وہ جنت یا دوزخ جس کا بھی مستحق ہو، اس میں چلا جاتا ہے۔ یہی وہ قیامت ہے جو انسان پر آتی ہے۔ اس فوراً حساب کتاب کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سَرِيعُ الْحِسَابِ ہے، لہذا وہ قیامت کے حساب کتاب میں دیر نہیں کرتا، لیکن علما ہی کے ایک دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ حساب کتاب قیامت ہی کے دن ہوگا، وہاں از اول تا آخر تمام انبیاء کو اور ان کی امتوں کو اکٹھا کیا جائے گا، پھر ان کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور پھر اس کے بعد لوگ اپنے اچھے یا برے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ آپ یہ بتائیے کہ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں ان دونوں میں سے کون سی رائے صحیح ہے؟ (غلام حسین)

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سَرِيعُ الْحِسَابِ کا مفہوم اگر ہم اپنے معیارات اور اپنے ذہنی پیمانوں سے طے کریں گے تو یہ صحیح نہیں ہوگا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا، وَنَرَاهُ قَرِيبًا، يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ. (المعارج ٦: ٩-١٠)

”وہ اس کو بہت دور خیال کر رہے ہیں اور ہم اس کو نہایت قریب دیکھ رہے ہیں جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی مانند ہو جائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی مانند۔“

آج سے تقریباً سو اچودہ سو سال پہلے مشرکین مکہ نے قیامت کے بارے میں جب یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ تو بہت دور ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم اسے بہت دور سمجھ رہے ہو اور ہم اسے نہایت قریب دیکھ رہے ہیں۔ آج سو اچودہ صدیاں گزرنے کے باوجود، وہ قیامت ابھی تک نہیں آئی جس میں آسمان تیل کی تلچھٹ کی مانند اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نزول قرآن کے زمانے ہی میں اس کو قریب دیکھ رہا تھا۔ کیا قیامت کے قریب ہونے کے بارے میں خدا کی بات غلط ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ خدا ہی کی بات صحیح ہے، البتہ اس وقت ہمارا فہم اس کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہے۔

دنیا میں ایک لمبی زندگی گزارنے کے بعد جب لوگ قیامت کے دن اٹھیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے تو وہ کہیں گے کہ ”يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ“ (ایک دن یا اس کا کچھ حصہ)، ظاہر ہے کہ جس دن انسان کو اپنی ساٹھ ستر سالہ زندگی ایک دن یا اس کا کچھ حصہ محسوس ہوگی تو امید ہے کہ اس دن اسے یہ بھی محسوس ہو جائے گا کہ قیامت بہت ہی قریب تھی اور یہ بہت جلد آگئی ہے۔

چنانچہ ہمیں خدا کی بات کو اپنے معیارات اور اپنے پیمانوں کے مطابق نہیں لینا چاہیے۔

اعمال انسانی کے حساب کتاب کے بارے میں جو دو مختلف نقطہ ہائے نظر آپ نے پیش کیے ہیں، ان میں سے دوسرا نقطہ نظر ہی صحیح ہے۔ آیات قرآن اسی کی تصدیق کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ، فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ، وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ، وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ، وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْتَتْ، لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ، لِيَوْمِ الْفَصْلِ. (المرسلات ٤: ١٣-١٤)

”بے شک، جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے، وہ شدنی ہے۔ پس، جبکہ ستارے بے نشان کر دیے جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے اور رسولوں کی حاضری کا وقت آ پہنچے گا، کس دن کے لیے وہ ٹالے گئے ہیں، فیصلے کے دن کے لیے۔“

ان آیات کا صاف مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت آئی ہے جب ستاروں نے اپنی روشنی کھودینی ہے، آسمان

نے پھٹ جانا ہے، پہاڑوں نے ریزہ ریزہ ہونا ہے، جب یہ سب کچھ ہو جائے گا تب خدا کے سامنے رسولوں کے حاضر ہونے کا وقت آ جائے گا، ان کی یہ حاضری، فیصلے کے اس خاص دن ہی کے لیے موخر کی گئی ہے:

قَالَ يٰٓاِبْلٰیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیْ، اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ، قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ، قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمٍ یُّعْتَبُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ، اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ. (ص ۳۸: ۷۵-۸۱)

”اے ابلیس، تجھے اس (وجود) کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے؟ یہ تو نے تکبر کیا ہے یا تو کوئی برتر ہستی ہے، اس نے کہا: میں اس سے برتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا، حکم ہوا: تو یہاں سے نکل جا، کیونکہ تو راندہ درگاہ ہوا اور تجھ پر میری لعنت ہے، جزا کے دن تک، اس نے کہا: اے میرے رب، مجھے مہلت دے، اس دن تک کے لیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ ارشاد ہوا: تجھ کو مہلت دی گئی، وقت معین تک کے لیے۔

ان آیات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اٹھائے جانے کا ایک خاص دن ہے۔ چنانچہ شیطان نے اسی خاص دن تک کے لیے خدا سے مہلت مانگی تھی۔

ارشاد باری ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیٰتٌ بِیَمِیْنِهِ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ. وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ. وَاَشْرَقَتْ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِیءَ بِالنَّبِیِّیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَفُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ. وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ. وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا... وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اَتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلٰی الْجَنَّةِ زُمَرًا.

(الزمر ۳۹: ۶۷-۷۳)

”اور لوگوں نے خدا کی صحیح قدر نہیں جانی، قیامت کے دن زمین ساری کی ساری اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان کی بساط بھی اس کے ہاتھ میں لپیٹی ہوئی ہوگی۔ وہ پاک اور برتر ہے، ان چیزوں سے جن کو یہ شریک بناتے ہیں اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، مگر جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو دفعۃً وہ کھڑے ہو کر تانے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی

اور رجسٹر رکھا جائے گا اور انبیاء اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور ہر جان کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا، وہ گروہ درگروہ جہنم کی طرف ہانک کر لے جائے جائیں گے... اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، وہ گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔“

یہ آیات بھی بہت صراحت کے ساتھ بتا رہی ہیں کہ لوگوں کے اعمال کا حساب کتاب ان کے مرنے کے ساتھ ہی نہیں ہو جائے گا، بلکہ اس سے پہلے کئی واقعات ہوں گے۔ صور میں دودفعہ پھونکا جائے گا، سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے، خدا زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا، آسمان کی بساط کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور اپنی بزرگی بیان کرے گا۔ پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے مراحل اور گزریں گے اور پھر زمین خدا کے نور سے چمک اٹھے گی۔ تب رجسٹر رکھا جائے گا، انبیاء اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور پھر اس کے بعد گناہ گار جہنم کی طرف اور نیکوکار جنت کی طرف لے جائے جائیں گے:

إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا، إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا، وَمَنْ رَأَاهُمْ يَرْجُخْ إِلَى يَوْمِ يُعْثُونَ. فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ: فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ.

(المؤمنون ۲۳: ۹۹-۱۰۳)

”جب ان میں سے کسی کی موت سر پر آن کھڑی ہوگی تو وہ کہے گا: اے میرے رب، مجھے پھر واپس بھیج کہ جو کچھ میں دنیا میں چھوڑ آیا ہوں، اس میں کچھ نیکی کمالوں، ہرگز نہیں یہ محض ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور اب ان سب مرنے والوں کے آگے اس دن تک کے لیے ایک پردہ ہوگا جس دن یہ اٹھائے جائیں گے۔ چنانچہ جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن آپس کا نسب کام نہ آئے گا اور نہ وہ ایک دوسرے سے مدد کے طالب ہوں گے۔ پس جن کے پلے بھاری ہوں گے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے پلے ہلکے ہوں گے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔“

ان آیات میں بہت صراحت سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ موت کے بعد قیامت کا دن آنے تک لوگ برزخ میں رہیں گے، پھر صور پھونکا جائے گا، پھر اعمال کا وزن ہوگا اور اس کے بعد لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا جہنم میں جائیں گے۔

اس مضمون کی بے شمار آیات قرآن میں موجود ہیں، جن کی کوئی اور توجیہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان کے خلاف ہر تصور باطل ہے۔

نبی پر ایمان لانا

سوال: سورہ بقرہ (۲) کی آیت ۶۲ اور سورہ مائدہ (۵) کی آیت ۶۹، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان، عیسائی، یہودی اور صابی جو بھی اللہ پر ایمان رکھے گا، یوم حساب سے ڈرے گا اور نیک کام کرے گا، اس کے لیے اس کے رب کے پاس اجر ہوگا اور وہ ایسی زندگی میں ہوگا جس میں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم، ان آیات سے کیا مراد ہے؟ کیا یہود و نصاریٰ اور صابین یا کسی بھی غیر مسلم کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے؟ (غلام سلیمین)

جواب: یہ دونوں آیات دراصل، ایک ہی بات بیان کر رہی ہیں اور وہ یہ کہ انسان کے لیے بخشش کا اصل معیار اللہ اور آخرت پر ایمان اور عمل صالح ہے۔ اگر کوئی شخص ان پر پورا اترتا ہے اور اس نے کوئی ایسا جرم بھی نہیں کیا جو اس کے ایمان کے لازمی تقاضے کے خلاف ہو تو پھر اس کی بخشش ہو جائے گی۔

استاذ محترم غامدی صاحب اپنی تفسیر ”البیان“ میں سورہ بقرہ (۲) کی آیت ۶۱ اور ۶۲ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَ وَ بَغَضَ مِنْ اللَّهِ ذَلِكَ بَانَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ. إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. (البقرہ ۲: ۶۱-۶۲)

” (وہ یہی کرتے رہے) اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کا غضب کمال لائے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے تھے اور اس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ اللہ کی ٹھیرائی ہوئی کسی حد پر نہ رہتے تھے۔

(اس سے واضح ہے کہ جزا و سزا کا قانون بالکل بے لاگ ہے۔ لہذا) وہ لوگ جو (نبی امی پر) ایمان لائے ہیں اور جو (ان سے پہلے) یہودی ہوئے اور جو نصاریٰ اور صابی کہلاتے ہیں، ان میں سے جن لوگوں نے بھی اللہ کو مانا

ہے اور قیامت کے دن کو مانا ہے اور نیک عمل کیے ہیں، ان کا صلہ (اُن کے) پروردگار کے پاس ہے اور (اُس کے حضور میں) اُن کے لیے کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ وہ کوئی غم (وہاں) کھائیں گے۔“

ان آیات کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

”... یہ ذلت اور مسکنت اس لیے ان (یہود) پر تھوپی گئی کہ انھوں نے پے در پے جرائم کا ارتکاب کیا اور اپنی سرکشی اور تعدی کے باعث ہر حد توڑ دی، یہاں تک کہ اللہ کے نبیوں تک کو قتل کر ڈالا۔ یہوداہ میں ان کے بادشاہ یوآس کے حکم سے زکریا علیہ السلام کو عین ہیکل میں مقدس اور قربان گاہ کے درمیان سنگسار کیا گیا۔ انھی کے فرماں روا ہیرودیس کے حکم سے یحییٰ علیہ السلام کا سر ایک تھال میں رکھ کر اس کی معشوقہ کی نذر کر دیا گیا۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کو بھی انھوں نے اپنے زعم کے مطابق سولی پر چڑھا دیا۔... اس بدترین جرم کا ارتکاب انھوں نے بغیر الحق، یعنی بغیر کسی وجہ جواز کے کیا۔ قتل نفس، پھر انبیاء علیہم السلام کا قتل اور وہ بھی بغیر کسی وجہ جواز کے، گویا اس جرم کی تمام سنگینیاں انھوں نے ایک ہی جگہ جمع کر دیں۔ قرآن نے واضح کر دیا کہ ان کے انبیاء کی اولاد ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان جرائم کے بعد انھیں چھوڑ نہیں دیا، بلکہ ان کی پاداش میں انھیں بکڑا اور اسی دنیا میں ان کے جرائم کی سزا انھیں دی۔... قرآن نے نہایت غیر مبہم طریقے پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی شخص کو فلاح محض اس بنیاد پر حاصل نہ ہوگی کہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے ہے یا مسلمانوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے یا صابی ہے، بلکہ اس بنیاد پر حاصل ہوگی کہ وہ اللہ کو اور قیامت کے دن کو فی الواقع مانتا رہا ہے اور اس نے نیک عمل کیے ہیں۔ ہر مذہب کے لوگوں کو اسی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ ہوگا۔ یہود کا یہ زعم محض زعم باطل ہے کہ وہ یہودی ہونے ہی کو نجات کی سند سمجھ رہے ہیں۔ یہ بات ہوتی تو اللہ دنیا میں بھی ان کے جرائم پر ان کا مواخذہ نہ کرتا، لہذا وہ ہوں یا مسلمان یا کسی اور مذہب و ملت کے پیرو، ان میں سے کوئی بھی محض پیغمبروں کو ماننے والے کسی خاص گروہ میں شامل ہو جانے سے جنت کا مستحق نہیں ہو جاتا، بلکہ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان اور عمل صالح ہی اس کے لیے نجات کا باعث بنتا ہے۔... (لیکن) اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نجات کی) یہ بشارت، ظاہر ہے کہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ آدمی نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو جو ایمان اور عمل صالح کے باوجود اسے جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے، مثلاً: کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا جانتے بوجھتے اللہ کے کسی سچے پیغمبر کو جھٹلادینا۔“